

نواز: کبھی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی فلم میں آپ کے ساتھ ہیر و کارول کروں گا۔ آپ جیسی خوبصورت ہیر وئ کے ساتھ۔

عاشی: اچھا نواز اب چپ ہو جاؤ۔ مجھے تعریف بہت اچھی لگتی ہے لیکن.....

نواز: اسی لیے تو کر رہا ہوں۔

عاشی: سیٹ پر نہ چلیں۔

نواز: اتنی جلدی کیا۔ وہاں تو ابھی لائٹس فٹ کی جا رہی ہیں۔ آپ کے لیے چائے منگواؤں۔

عاشی: میں چائے نہیں پیتی۔

نواز: کیوں؟

عاشی: بس فکر کا خیال رکھنا پڑتا ہے ناں۔ چائے پینے لگو تو دن میں بیس بیس پیالی چائے پی لیتا ہے آدمی۔ کتنی چینی چلی جاتی ہے اندر۔

نواز: آپ بہت زیادہ Figure conscious ہیں۔

عاشی: کافی ہوں۔ پروفیشن جو ایسا ہے۔ ذرا دوانچ جس کی کمر مجھ سے کم ہوگی وہ مجھے مات دے جائے گی۔

نواز: آپ کو کون مات دے سکتا ہے۔

عاشی: یہاں آجاتے ہیں ناں لوگ مات دینے کے لیے کہیں نہ کہیں سے۔ بڑی ناقابل

اعتبار زندگی ہے ذرا یہ گھنگھر و کھول دیجئے نواز۔ پتہ نہیں ماسٹر جی نے کیسے بکل لگوائے ہیں۔ مجھ سے تو کبھی کھلتے ہی نہیں۔

(نواز عاشی کے پاؤں کے گھنگھر و کھولتا ہے اس وقت سکندر آتا ہے دونوں کو دیکھتا ہے پھر

رکتا ہے چند ٹاپے سوچتا ہے پھر آگے بڑھتا ہے۔)

سکندر: میں کھول دوں عاشی۔

عاشی: (مسکرا کر) نہیں نواز صاحب Help کر رہے ہیں۔ بیچارے بڑے سویٹ ہیں

آؤ بیٹھو۔

(نواز کچھ شرمندہ ہوتا ہے اور اٹھنے لگتا ہے)

نواز: میں سیٹ پر چلتا ہوں عاشی صاحبہ! آپ وہیں آجانا۔ لائنز Repeat کر لیں گے۔  
 سکندر: (اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہے) بری بات نواز صاحب کسی کا دل توڑ کر جانا اچھی بات نہیں ہے۔ بیٹھے۔ بیٹھے جناب والا۔

نواز: جی..... میں سمجھا نہیں۔  
 سکندر: سب سمجھ جائیں گے رفتہ رفتہ۔ یہاں سب کاٹھے طوطے پڑھ جاتے ہیں۔ سارے سبق۔ بیٹھے۔ پڑھانے کی نوبت نہیں آتی۔

عاشی: سکندر..... کیا مطلب ہے تمہارا۔  
 سکندر: کوئی مطلب نہیں خاص۔ بیٹھے آپ نواز صاحب مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے۔ یہاں سے لا بھریری جاؤں گا۔

عاشی: لا بھریری میں کیا کام ہے؟  
 سکندر: وہاں کچھ قانون کی کتابیں ہیں۔ ان کو دیکھوں گا کئی سال ہوئے میں نے ان کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ اچھا خاصہ وکیل ہو سکتا تھا میں۔

نواز: میں چلتا ہوں سکندر صاحب۔  
 سکندر: ناں ناں ناں نواز صاحب۔ نئی کرنسی کبھی نہیں جاتی۔ ہمیشہ پچھلے نوٹ ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ بیٹھیں۔ بیٹھیں آپ۔ ہم جارہے ہیں۔ ہم گل رخ سکندر..... آپ بیٹھے نواز صاحب۔

(سکندر جاتا ہے۔ چند لمحے نواز اور عاشی اس کو دیکھتے ہیں دم بخود ہو کر۔ پھر یکدم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور کھٹکھٹا کر ہنستے ہیں ہنستے چلے جاتے ہیں)

نواز: دامہ..... دامہ..... میں کیا کروں شامہ۔

عاشی: دامہ..... دامہ..... میں کیا کروں شامہ۔

(پھر دونوں ہاتھ ملا کر زور زور سے ہنستے ہیں۔)

(باپ پٹنگ پر بیٹھا ہے لیکن دیوار سے پشت لگا رکھی ہے۔ اس کا سانس ٹھیک نہیں آرہا اور چہرہ پسینے سے بھیگا نظر آتا ہے۔ آبا جی سوٹ کیس اٹھا کر آتی ہے وہ یہ سوٹ کیس دروازے کے قریب ہی رکھ دیتی ہے۔

آپا: کیا بات ہے ابا جی۔ اٹھ کر کیوں بیٹھے ہیں۔

ابا: لیٹا رہوں تو سانس نہیں آتا راشدہ بیٹے۔

آپا: تکیہ لگا دوں پیچھے۔

ابا: میرے ہاتھ میں کیا تھا ابھی۔

آپا: کچھ نہیں ابا جی۔

ابا: اچھا..... کچھ نہ ہو گا لیکن مجھے لگتا تھا جیسے..... تو بھی کسی سفر پر جا رہی ہے۔ لمبے سفر پر۔

(اب آپا باپ کی چارپائی پر پامختی کی طرف دونوں ٹانگیں اوپر رکھ کر بیٹھتی ہے اور کھڑے زانوؤں پر اپنا سر رکھتی ہے۔ اس کے بازوؤں نے گھٹنوں کے گرد دائرہ بنا رکھا ہے۔ خاموشی کا وقفہ جس میں باہر دور کہیں کتے کے بھونکنے کی آواز آتی ہے۔)

ابا: کیا وقت ہوا ہے راشدہ؟

آپا: رات کہیے ابا جی..... رات کا پچھلا پہر۔

ابا: اور..... اور تو کیا کر رہی ہے۔ یہاں..... جا آرام سے سو رہ۔

آپا: اچھا جی..... سونا ہی ہے اب۔

ابا: میری بھی کیا قسمت ہے میں دیکھ نہیں سکتا اپنے بچوں کے چہرے ورنہ مجھے یوں

پوچھنا نہ پڑتا سب کچھ۔ کیا ہوا ہے میری شیرنی کو گھر کی تھانیدارتی کو۔

آپا: کوئی فائدہ نہیں پوچھنے کا ابا جی۔ ہم سب بے گھر لوگ ہیں۔ نہ ہمارا کوئی رشتہ دار

ہے نہ دوست ہے..... نہ اپنانہ پرایا۔

ابا: دن بدن تجھے ہوتا کیا جا رہا ہے راشدہ! تو تو۔ بیٹے تو تو سارے گھر کو ستون کی طرح

سنجبالے کھڑی تھی.....

آپا: (ہنس کر) برادے کا ستون تھا ابا اوپر سے سنگ مرمر کا لپ تھا ایسے ہی رعب ڈالنے کے لیے۔

ابا: (اوپر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) میں شکایت نہیں کرتا میرے مولائیں تجھ سے کچھ مانگتا بھی نہیں پر یہ بتا اب کس کی باری ہے۔

آپا: میری ابا جی..... ابھی کچھ دن پہلے میں سمجھتی تھی تیری باری ہے۔ اب سمجھ آگئی..... آج اچانک شام کو۔

ابا: ہوا کیا ہے راشدہ۔

آپا: پچھلا پہر ہے اندھیرا ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوگی تو تھوڑی دور چل سکے گا ابا۔ میرے ساتھ۔

ابا: کہاں جانا ہے راشدہ اس وقت۔

آپا: کہیں ستارہ کو تلاش کریں گے ابا..... اگر اس نے زیوروں کا پیسہ ادا کر دیا تو واپس آجائیں گے ورنہ وہ بڑا شہر ہے ابا۔ کسی کے مرکب جانے کی کانوں کان خبر نہیں ہوتی کسی کو.....

ابا: زیوروں کا پیسہ؟ کسے دینا ہے۔

آپا: میرے شوہر کو میاں جی کو۔ سات آٹھ مہینے سے وہ ہر روز مانگتے ہیں۔ انہوں نے سات ہزار میں بنوایا تھا ابا۔ وہ سات ہزار برباد تو نہیں کر سکتے ناں کسی کی خاطر۔

ابا: لیکن زیور تجھ کو بنا کر دیا تھا زیور تو تیرا تھا راشدہ۔

آپا: تو بتا ابا میں کتنی بار اجڑی ہوں پچھلی بار ٹیوب ویل لگوانا تھا تو کیسے تین سال لاہور پڑی رہی ستارہ کے گھر..... اگر وہ مجھے بیس ہزار نہ دیتی تو میں لوٹ سکتی تھی اس گھر..... میں۔

ابا: تو مجھے اس کے پاس لے چل راشدہ میں اس سے بات کروں گا میاں جی سے۔

آپا: جانے دے ابا۔ ہم لوگوں کی باتیں کا غذا پتنگ ہیں۔ ذرا تیز ہوا برداشت نہیں کر سکتیں۔

ابا:

وہ انصاف کرے۔ انصاف کرے بیٹا۔ تیرا میاں جی.....

آپا:

ابا..... جب کسی کے دل میں تمہارے لیے جگہ نہ رہے تو پھر وہ انصاف نہیں کر سکتا۔

ابا:

تو مجھے اس کے پاس ایک بار لے کر تو چل راشدہ۔ (اٹھتا ہے) میں آخر تیرا باپ ہوں۔

آپا:

وہ ٹیوب ویل پر گئے ہیں شام سے ابا لڑ جھگڑ کر۔ میاں جی گھر پر ہوتے ہی کب ہیں کہ تو ان سے بات کرے گا؟

ابا:

تو اچھا میں صبح بات کروں گا اس سے۔

آپا:

ہاتھ جوڑ جوڑ کر انہیں پرچہ کٹانے سے روکا ہے ابا..... ذرا اتونے زور دیا تو وہ عاصم کے خلاف تھانے میں رپٹ لکھوادیں گے پھر؟

ابا:

میں بے وقوف ہوں۔ میں نہیں جانتا وہ داماد ہے کوئی داماد سے اونچا بولا ہے کبھی۔

آپا:

چل ابا چل۔ صبح مجھے طلاق مل جائے گی پھر تو خوش رہے گا۔ طلاق بن کر جو گھر سے نکلے گی تو..... پہلے کیوں نہ چلی جاؤں کسی کو بتا تو سکوں گی کہ..... کہ میاں

جی میرے شوہر ہیں۔ شیخوپورے میں ہمارا ٹیوب ویل ہے بارہ مربیع زمین ہے۔

میرے اور معاشرے کے درمیان کوئی تو ڈھال رہنے دے ابا۔ کوئی ایڈریس تو

چاہیے انسان کو۔

ابا:

میں تجھے چوروں کی طرح نہیں لے جاؤں گا تیرے گھر سے۔

آپا:

چل ابا چل۔ شاید لاہور میں ستارہ مل جائے۔ شاید وہ زیوروں کا پیسہ ادا کر دے۔

وہ پہلے کئی بار مدد کر چکی ہے ابا۔ تو چل تو سہی۔

ابا:

تارا کے پاس۔ تارا کے پاس چلیں۔

آپا:

جی ابا تارا کے پاس۔

ابا:

وہ ہم اسے کیا تلاش کریں گے راشدہ اتنے بڑے شہر میں۔

آپا:

تو چل تو سہی پھر وہ ٹیوب ویل سے واپس آجائیں گے ابا۔ کیا فائدہ ان کو بھی صبح

سویرے منہ دکھانے کا۔ خواہ خواہ ان کا سارا دن خراب گزرے گا۔ چل آ چلیں۔

(دونوں جاتے ہیں۔)

(عاشی کا بیڈ روم)

عاشی: چھوڑوان باتوں کو سکندر۔

سکندر: تم۔ تم چاہتی ہو کہ میں سب کچھ دیکھوں اور خاموش رہوں؟

عاشی: بتاؤ کیا دیکھا ہے تم نے؟

سکندر: تم..... اس نوجوان کے ساتھ بہت Free ہو نواز کے ساتھ۔

عاشی: میں ایکٹس ہوں۔ میرے پاس اس وقت بارہ فلمیں ہیں۔ میں دن میں کئی مرتبہ

محبت کے مکالمے بولتی ہوں۔ کئی چہرے دن میں مجھ سے محبت کے ڈائیلاگ

بولتے ہیں۔ اگر تم کو مجھ سے ذرا سی ہمدردی بھی ہوتی تو تم میرے پروفیشن کی وجہ

سے مجھ پر ایسے الزامات نہ لگاتے۔

سکندر: تم میری خاطر یہ لائن ترک نہیں کر سکتیں۔ چھوڑ نہیں سکتیں اس پروفیشن کو۔

عاشی: تم نے ہر ایک کو ستارہ سمجھ رکھا ہے۔ ہر ایک کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تم

ڈکٹیٹر ہو کہ ہر ایک تمہاری آرزو کا تابع ہو تمہاری مرضی کے مطابق زندگی بسر

کرے۔

سکندر: میں وکالت کروں گا عاشی..... ہم دونوں یہ پروفیشن چھوڑ دیں گے۔ میں بھی تم

بھی..... ہم کسی چھوٹے سے شہر میں کسی چھوٹے سے گھر میں رہیں گے میں دیوانی

کیس لڑوں گا چھوٹے چھوٹے رقبوں کے کیس چلو عاشی۔

عاشی: تم کو مبارک ہو چھوٹا شہر چھوٹا گھر..... چھوٹے چھوٹے مقدمے۔

سکندر: تم..... تم تو..... تم تو کہا کرتی ہو کہ تم..... تم نے تو مجھے لاکھوں مرتبہ کہا ہے کہ

تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

عاشی: ہے..... لیکن اپنے سے کم..... میں سب سے پہلے اپنے مستقبل کا تحفظ کروں گی

سکندر۔ میرے تعاقب میں بڑھاپا ہے۔

سکندر: تمہارا بھی کوئی قصور نہیں عاشی۔ تمہارا بھی کوئی قصور نہیں۔ یہاں اتنے رنگ

برنگے ناگ ہیں۔ کو برے، کو ڈیالے، اڑتے سانپ۔ ہر رنگ ہر سائز کا سانپ ہے۔ پر کالے کا کوئی منتر نہیں۔ ہر ناگ کو سدھانے والی مین نہیں۔ تمہارا کوئی قصور نہیں عاشر! یہ جگہ ہی ایسی ہے یہاں پر چڑھی پتنگ کا بوکا ناہو جاتا ہے۔

عاشر: تم کو میری لائف کے ساتھ میری طبیعت کے ساتھ میرے پروفیشن کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہو گا سکندر ورنہ ہم ایک قدم آگے نہیں چل سکتے۔

سکندر: یہاں محبت کرنے کے اتنے مواقع ملتے ہیں کہ کبھی کبھی خود پتہ نہیں چلتا کہ ہم محبت کر رہے ہیں کہ کوئی بھولا بسرا سکرپٹ دوہرا رہے ہیں۔ اگر سٹیشن پر پہنچ جاؤ عاشر تو وہاں سے کسی اور سٹیشن پر جانے کی ٹکٹ تول ہی جاتی ہے۔

عاشر: تم کو آج اس وقت اس لمحے فیصلہ کرنا پڑے گا سکندر اگر تم نے وہ سین دوبارہ دوہرایا جو صبح ہو چکا ہے تو میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکل جاؤں گی۔

سکندر: تم کو بھی آج ایک اہم فیصلہ کرنا ہو گا عاشر۔ میں بھی اس عاشر سے دوبارہ ملنا نہیں چاہتا جو صبح مجھے ملی تھی۔

عاشر: تم میری آزادی کی ویسے ہی عزت کرو گے جیسے میں تمہاری آزادی کی کرتی ہوں۔

سکندر: میں اپنی بیوی کو اتنی آزادی نہیں دے سکتا۔

عاشر: ہماری شادی Secret ہے انڈسٹری میں اس کا کسی کو علم نہیں تم اتنی اونچی آواز میں شادی کا لفظ استعمال نہیں کرو گے کہ میری مارکیٹ خراب ہو جائے۔ یہ تمہارا سنہری جال ہے؟..... (ہنسی ہے)؟

سکندر: جب تم میرے ساتھ کراچی گئی تھیں تب تو.....

عاشر: وہ اور وقت تھا سکندر۔ اس وقت اگر تم مجھے فلم لائن چھوڑنے کو کہتے تو میں یہ بھی کر گزرتی..... لیکن پل کے نیچے ہمیشہ پانی کھڑا نہیں رہتا۔

سکندر: ٹھیک ہے عاشر یا آدمی ظالم بن کر زندہ رہ سکتا ہے یا مظلوم بن کر، بہتر یہی ہوتا ہے کہ آدمی مظلوم بننے سے پہلے ظالم بن جائے؟

عاشر: تم یہ چاہتے ہو کہ میں..... میں تم پر اعتماد کر کے فلم لائن چھوڑ دوں۔ چلی جاؤں

کسی چھوٹے شہر میں وہاں..... بھینسیں پالوں صبح سویرے اٹھ کر دودھ بلویا کروں۔ دن بھر کھاٹ پر پڑی تمہارا انتظار کروں۔ ادھی درجن بچوں کو پالوں..... اور پھر جب تیز رل جائے تو تم مجھ سے منہ پھیر لو..... میں واپس جوتیاں چٹختی فلم لائن میں بوڑھی عورت کا رول تلاش کروں تین تین سطروں کے؟ یہ چاہتے ہو تم؟

سکندر: ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

عاشی: ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے سکندر۔

سکندر: عاشی! میں اندر بکھر رہا ہوں تم میرا اعتماد بحال کر سکتی ہوں۔ ہم اپنی شادی Announce کر سکتے ہیں۔ خدا کے لیے۔

(اس وقت مسکین اندر آتا ہے اس کے ہاتھوں میں جوتیوں کے ڈبے ہیں۔)

مسکین: یہ جی آپ کی جوتیاں لایا ہوں مال روڈ سے۔

عاشی: رکھو انہیں۔

(مسکین رکھتا ہے۔)

مسکین: میں جاؤں جی۔

عاشی: ٹھہرو غور سے دیکھو انہیں مسکین صاحب کو..... ان کی دو بلڈنگیں تھیں شاہ عالمی

میں..... انہوں نے وہ بیچ کر فلم بنائی۔ ان کی فلم تو کامیاب نہیں ہوئی لیکن میں

چوٹی کی اداکارہ ہو گئی اس وقت ان کی پوزیشن دیکھتے ہو سکندر؟ اب آپ جاسکتے

ہیں۔

مسکین: ڈرائی کلینز کے چلا جاؤں جی۔

عاشی: شام کو چلے جانا مسکین صاحب۔

(مسکین جاتا ہے۔)

سکندر: پھر عاشی۔

عاشی: مسکین سے سات سال ہوئے میں نے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ یہ ابھی تک جوتیوں

میں بیٹھے ہیں سکندر۔ ایک جھلک کی خاطر.....



سکندر: عاشی۔

عاشی: میں تب بہت چھوٹی تھی۔ مجھے فلم لائن میں اخل ہونے کے لیے ایک سیڑھی درکار تھی۔ میں نے مسکین صاحب سے رابطہ قائم کیا اس لیے نہیں کہ مجھے ان سے محبت تھی اس لیے بھی نہیں کہ مجھے شادی کی ضرورت تھی صرف اس لیے کہ مسکین صاحب مجھ سے محبت کرتے اور میری Ambition پوری کر سکتے تھے اپنے آپ کو برباد کر کے۔

سکندر: تم انہیں آزاد نہیں کر سکتیں عاشی۔ بتاؤ؟

عاشی: میں مسکین صاحب کو چھوڑ نہیں سکتی۔

سکندر: لیکن آخر کیوں۔

عاشی: میں تمہاری طرح نہیں ہوں ان کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں..... ان احسانات کا بدلہ ایسے نہیں دے سکتی۔

سکندر: اور..... اور جو کچھ تم کرتی ہو وہ ان کے احسانات کا بدلہ ہے۔

عاشی: مسکین صاحب کو مجھ سے محبت ہے وہ میری ہر کمزوری سے بھی محبت کرتے ہیں۔ وہ..... میری آزادی میری لائف میرے پروفیشن میری بے راہ روی سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں۔ میری دوری برداشت نہیں کر سکتے۔

سکندر: (صوفے میں دھنس کر) ستارہ۔

عاشی: وہ جب تک زندہ ہیں سکندر وہ میرے قرب کی خاطر ہر ذلت برداشت کریں گے۔ مجھے ان کے احسانات کا پاس ہے۔ میں تمہاری نہیں ہوں سکندر..... احسان فراموش..... میں اپنے سوائے کسی کی نہیں ہو سکتی۔

(سکندر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپاتا ہے عاشی جا کر جوتوں کے ڈبے کھولتی ہے اور جوتے دیکھتی ہے۔)

# قسط نمبر 13

## کردار

ستارہ

سکندر

اباجی

راشدہ آپا

عاشی

ڈاکٹر

ماسٹر لطیف

فوزیہ

پروڈیوسر

خانساماں

مالی

اناؤنسر (خاتون)

ایکٹر جلیل (بوڑھا مفلوک الحال ایکٹر)

سکندر کی بیوی

فقیر 1

فقیر 2

فقیر نی

تین کالج کی لڑکیاں

(سکرپٹ 12 میں جہاں سکندر کہتا ہے تم انہیں آزاد نہیں کر سکتیں یہاں سے شروع کیجئے اور آخر تک لے جائیے۔

پچھلی قسط لگانے کے بعد موسیقی جاری رہتی ہے اور ایک کیلنڈر سامنے آتا ہے۔ اس کے صفحے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ کبھی 1948ء آتا ہے کبھی 1953ء، کبھی 1962ء، کبھی 1970ء، کبھی 1975ء، کبھی پھر 1947ء۔ کیلنڈر کے صفحے جن پر سن واضح طور پر رجسٹر ہو یہ سال ترتیب میں نہیں ہیں۔ کبھی 72ء کے بعد یکدم 51ء آجاتا ہے کبھی 1947ء کے بعد یکدم 1977ء میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایسے کیلنڈر کو ترتیب دینے کے ساتھ ہی ایک اور کیلنڈر بھی بنائیے۔ اس میں ان تمام آرٹسٹوں کی تصویریں ہیں جو پاکستان کے بعد بنے اور گمنامی کا شکار بھی ہو گئے۔ مثلاً: 'نذر'، 'منور سلطانہ' (گلوکارہ)، 'سائیں مرنا'، 'فلو سے خاں'، 'نھو خاں'، 'محمد حسین'، 'سورن لتا'، 'نذیر'، 'مسرت نذیر'، 'زبیدہ' (گلوکارہ) یہ دونوں کیلنڈر از حد ضروری ہیں۔ کبھی سال سکرین پر آتا ہے کبھی پرانے دو تین گلوکار اور آرٹسٹوں کی تصویریں نکل آتی ہیں۔ اس طرح محسوس ہونا چاہیے کہ ان تیس سالوں میں کئی آرٹسٹ ابھرے اور پھر گمنامی کا شکار ہو گئے۔ پچھلے سکرپٹ سے یہاں پندرہ بیس سال کا فرق ہے۔ ان میں آخری تصویر افتخار کی ہے جس پر کیرمہ تھوڑی دیر رہتا ہے۔ پھر ڈاکٹر پر جاتا ہے۔)

کٹ

سین 1 ان ڈور دن

(ڈاکٹر کا کلینک سکندر ڈاکٹر سے مشورہ کرنے آیا ہوا ہے۔ اس نے شلوار قمیص پہن رکھی ہے۔ اور کندھوں پر سفید قیمتی چادر ہے۔ چہرے پر بڑی سی عینک ہے۔ مونچھیں رکھی ہیں جو زیادہ سفید ہیں۔ کالے بالوں میں سفیدی جھلک رہی ہے۔ سگریٹ پیتا ہے تو ہاتھ میں ہلکا سا ریشہ نظر آتا ہے۔ کبھی کبھی عینک اتار کر آنکھیں ملنے لگتا ہے۔ روشنی اس کے

چہرے پر پڑ رہی ہے۔)

سکندر: نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب آپ کے ہمارے پروفیشن کا بڑا فرق ہے بڑا فرق ہے۔

آپ کا رابطہ عوام سے بادشاہ جیسا ہے آپ کے پاس جو آتا ہے ضرورت مند آتا ہے۔ ہماری Show man business کی جان ہوتی ہے۔ عوام میں.....

لوگ دیوتا ہوتے ہیں۔ ہم لوگ پجاری جیسے وہ چاہتے ہیں مقبول کر دیتے ہیں جیسے چاہتے ہیں بھلا دیتے ہیں۔ بہت بہت مشکل پروفیشن ہے ہمارا.....

ڈاکٹر: سکندر صاحب..... اتنی چوٹی پر پہنچ کر آپ اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کرتے ہیں؟

سکندر: اس لیے ڈاکٹر صاحب..... کہ ہر قوم کا ایک مزاج ہے ہماری قوم بت شکن

ہے..... پہلے یہ بت بناتی ہے آہستہ آہستہ کسی کو پرستش کی عادت میں مبتلا کرتی

ہے تعریف کا عادی کرتی ہے۔ پھر جب وہ..... بت آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا ہے

تو..... تو اسے یکدم ایک ضرب سے توڑ دیتی ہے۔ افیون کا عادی بنا کر افیون نہیں

دیتی۔ پھر کبھی..... میرا یہی مسئلہ ہے ڈاکٹر صاحب Insecurity کا۔ گھر پر اور

باہر دونوں جگہ۔

ڈاکٹر: لیکن کیوں..... اتنی بلندی پر پہنچ کر ایسی Insecurity کی کیا وجہ ہے۔

سکندر: نئے گانے والوں کی کھپ آ رہی ہے ڈاکٹر صاحب..... چور دروازے سے۔ جوں

جوں ان کی Popularity بڑھ رہی ہے..... میری تعریف ختم ہو رہی ہے۔

آپ سمجھتے کیوں نہیں ڈاکٹر صاحب۔ جب آرٹسٹ کی مقبولیت ختم ہوتی ہے تو

اچانک وہ کتنا تنہا کیسا Insecure ہو جاتا ہے؟

ڈاکٹر: آپ کو اپنے آرٹ پر اپنی Creative Self پر اعتماد کرنا چاہیے۔

سکندر: گھر پہنچتا ہوں تو بیوی..... بیوی کہتی ہے مجھے آرٹسٹ نہیں چاہیے۔ بچہ چاہیے۔

میں بانجھ زندگی سے تنگ آ گئی ہوں۔ باہر جاتا ہوں تو..... تو لوگ میرے سامنے

دوسرے گلوکاروں کی تعریف کرتے ہیں۔ میرے ہوتے ہوئے میں..... میں

اپنے Creative Self پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں۔ ڈاکٹر فہیم کیسے کیسے کیسے؟

کمپاؤنڈر: (اندر آکر) ایک لیڈی آپ کو باہر بلا رہی ہیں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر: excuse me

(اٹھتا ہے اور یکدم سکندر کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہے۔)

لوگ پرانے آرٹسٹوں کو یاد بھی رکھتے ہیں آپ اس قدر بھی اپنے آپ کو تکلیف نہ دیں۔

سکندر: کوئی یاد نہیں رکھتا سر۔ اب میری باری ہے۔ میں جانتا ہوں اب.....

(یکدم ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑ کر۔)

کچھ چھوٹے آرٹسٹ خواب دیکھتے دیکھتے کنزرویوں میں مر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب وہ اس قدر مشہور نہیں ہوتے کہ ان کی فیملی کو ہر ماہ سرکار سے وظیفہ ملے۔ ایک وہ آرٹسٹ ہوتے ہیں جو کئی سال انڈسٹری سے وابستہ رہتے ہیں اور قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے پاس ڈاکٹر صاحب اخباروں کے وہ تراشے ہوتے ہیں جن میں کبھی کبھار ان کی تصویر چھپتی ہے..... ان پر کوئی درمیانے درجے کا مضمون کبھی کبھار چھپ جاتا ہے۔

ڈاکٹر: میں ابھی آیا سکندر صاحب۔

سکندر: پھر میں اپنی بات بھول جاؤں گا..... جیسے کچھ عرصے کے بعد لوگ مجھے بھول جائیں گے..... ڈاکٹر صاحب یہ لوگ جب مرتے ہیں تو ان کی یہی میراث ہوتی ہے یہی تراشے یہی تصویریں اور کچھ لوگ مجھ جیسے..... عاشی جیسے..... افتخار جیسے شوٹنگ سٹار ہوتے ہیں۔ بہت شہرت بہت دولت بہت..... سب کچھ بہت لیکن اتنی تھوڑی دیر کے لیے۔

(یکدم میز پر کئے مارتا ہے)

لیکن ہم کو بھی لوگ بھول جاتے ہیں۔ ہماری شہرت کا سکہ بھی نہیں چلتا کچھ وقت کے بعد۔ ہماری جان لوگوں میں کیوں ہے۔ کیوں ہے ڈاکٹر صاحب کیوں ہے؟ کیوں کیوں کیوں..... ہم لوگوں کی تعریف کے بغیر زندہ کیوں نہیں رہ سکتے۔ کیوں نہیں ڈاکٹر صاحب۔

(پلٹ کر دیکھتا ہے۔ ڈاکٹر جاچکا ہے۔)

## سین 2 آؤٹ ڈور دن

(ایک کار ٹیلی ویژن سٹیشن میں داخل ہوتی ہے۔ دربان Barrier اٹھاتا ہے۔ کار اندر داخل ہوتی ہے۔ کیمرہ اسے Follow کرتا ہے۔ فوزیہ لطیف کار میں سے اترتی ہے۔ کیمرہ اس پر مرکوز ہوتا ہے وہ سیڑھیاں چڑھ کر ٹیلی ویژن سٹیشن کے اندر جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ماسٹر لطیف ہیں۔ جو بوڑھا پھونس ہو چکا ہے۔)

کٹ

## سین 3 ان ڈور دن

(سکندر نے میز پر سر رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اس کی پریشانی سے متاثر ہے۔ ایک بازو میز پر لہا دھرا ہے۔ ڈاکٹر اس کی نبض دیکھ رہا ہے۔)

سکندر: جو دوسروں کی مٹھی میں اپنی جان رکھے گا وہ ایسی ہی موت مرے گا..... اسکی ساری Nerves خراب ہو جائیں گے۔ Lockjaw رہے گا اسے راتوں کی نیند اڑ جائے گی..... کچھ نہیں ہے ڈاکٹر صاحب۔ جو بھی لوگوں سے یاد رکھنے کی امید رکھے گا ایسی ہی موت مرے گا.....

(ڈاکٹر نبض چھوڑ کر نسخہ لکھتا ہے)

ڈاکٹر: وہ illusions کا کیا حال ہے؟

سکندر: ویسا ہی ہے..... کبھی کبھی سائے ہوتے ہیں اور انسان نظر آنے لگتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان ہوتے ہیں اور سائے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ نہیں ڈاکٹر صاحب بڑی محنت کی۔ Cut throat Competition برداشت کیا میکانی کی طرح کسی رشتے ناطے کی پروا نہیں کی۔ اپنے پروفیشن کے سامنے اور آخر میں کیا ملا؟ خوف؟ Fans کی کمی کا خوف..... اپنے Image کو برقرار رکھنے کا خوف..... پبلک کے

بھول جانے کا خوف..... گمنامی کے اندھیرے میں جانے کا خوف۔

ڈاکٹر: دیکھئے۔ آپ کو ان سگرٹوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ آہستہ آہستہ یہ نہ صرف آپ کے جسم

سے بدلہ لے رہے ہیں بلکہ آپ کی ساری شخصیت کو Morbid کر رہے ہیں۔

سکندر: یہ آرٹ کی دنیا ششے کا گھر ہے۔ کچھ دوسروں کو پتھر مارتے ہیں اور بے گھر کرتے

ہیں۔ کچھ اپنے آپ کو سرعام دیکھ کر خود اپنے آپ کو توڑ پھوڑ لیتے ہیں۔ ڈاکٹر

صاحب شراب، چرس، افیون بد بختی بد نصیبی کس کس سہارے کا نام لوں.....؟ کیا

کچھ نہیں چلتا یہاں؟

ڈاکٹر: دیکھئے اب مجھے ٹھیک ٹھیک بتائیے نیند نارمل ہوئی ہے کہ نہیں

(سکندر نفی میں سر ہلاتا ہے۔)

ڈاکٹر: کھانا وقت مقررہ پر کھاتے ہیں۔

(سکندر نفی میں سر ہلاتا ہے۔)

جب Palpitation بڑھتی ہے تو میری Instructions کے مطابق آپ

Rest کرتے ہیں۔

سکندر: نہیں۔

ڈاکٹر: جب آپ کو کسی شخص کا نام یاد کرنے میں اسے پہچاننے میں دقت ہوتی ہے تو

Do you wait sit down and recall?

سکندر: (لمبی سانس بھر کر) نہیں ڈاکٹر صاحب نہیں۔

ڈاکٹر: پھر سکندر صاحب آپ بھی تو میری مدد کیجئے کچھ..... تھوڑی بہت

کٹ

سین 4 ان ڈور دن

(نوزیہ اور اناؤنسر ٹیلی ویژن کے سیٹ پر کمروں کی گلی میں آتے ہیں۔ ایک پروڈیوسر کے

نام کی سختی پڑھتے ہیں۔ نام مجید ممتاز لکھا ہے۔ وہ اندر جاتے ہیں۔)

کٹ

سین 5 ان ڈور دن

(ڈاکٹر کے کلینک کے باہر ویٹنگ روم میں عاشی بیٹھی ہے۔ وہ کافی بوڑھی نظر آتی ہے۔ حالانکہ لباس میں فرق نہیں آیا اور اسی طرح فیشن کی قسم کا ٹھانڈا ہے وہ کلینک کے باہر ویٹنگ روم میں بیٹھی ہے۔ اندر سے سکندر نکلتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک جاتے ہیں۔ پھر سکندر آگے بڑھتا ہے۔)

سکندر: عاشی What a Surprize۔ اتنے سالوں کے بعد What a Surprize۔

عاشی: ملے بھی تو کہاں ملے۔ ڈاکٹر کے کلینک پر۔ آؤ بیٹھو۔

(سکندر پاس بیٹھتا ہے۔ چہرے پر شانت سی مسکراہٹ ہے)

سکندر: What a Surprize

کٹ

سین 5 ان ڈور دن

(پروڈیوسر کا کمرہ۔ سامنے فوزیہ لطیف اور ماسٹر لطیف بیٹھے ہیں۔)

پروڈیوسر: ذرا یہ کٹریکٹ پر Sign کر دیں فوزیہ۔

فوزیہ: ضرور جی۔

(فوزیہ Sign کرتی ہے اس دوران ماسٹر لطیف اور پروڈیوسر باتیں کرتے ہیں۔)

پروڈیوسر: کیا لگایا ہے ماسٹر جی آپ کی بیٹی نے سبحان اللہ۔



لطیف: سب مولا کی کرم نوازی ہے جناب۔

پروڈیوسر: اب تو ان کے گانے فلموں میں بھی خوب آنے لگے ہیں۔

لطیف: ہاں جی راستہ کھل گیا ہے کچھ کچھ۔ باقی سب اوپر والے کی مرضی ہے جس کو چاہے

وے۔

(بٹی سے) دیکھ بیٹے دھیان سے سائن کرنا۔

فوزیہ: آپ فکر نہ کریں ابا جی۔

پروڈیوسر: فوزیہ پروگرام تو آپ سمجھ گئی ہیں ناں اس کا Format وغیرہ۔

فوزیہ: جی۔

لطیف: بیٹے پھر سے اچھی طرح بات سمجھ لو۔ پہلے معاملہ طے کر لینے میں کوہرج نہیں

ہوتا۔ اپنے آپ کو زیادہ عالم نہیں سمجھنا چاہیے۔

فوزیہ: میں سمجھ گئی ہوں ابا جی۔ (پروڈیوسر سے) جی ممتاز صاحب پہلے میزبان مجھے

Introduce کروائے گا۔ پھر سکندر صاحب کو..... اور پھر ہم دونوں مل کر

ایک ڈویٹ گائیں گے۔

پروڈیوسر: ذرا سا آپ کی سہولت کے لیے بیان کر دوں کہ..... کہ ہمارا مقصد اس پروگرام

سے یہ ہے کہ آپ چڑھتا ہوا ستارہ ہیں۔ سکندر صاحب کی مارکیٹ اب کم ہو رہی

ہے۔ پرانے اور نئے ستارے جب ملتے ہیں تو ایک نیا آرٹ جنم لیتا ہے آدھا پرانا

آدھا نیا۔

لطیف: یہ سکندر صاحب کی مارکیٹ کو پتہ نہیں کیا ہوتا جاتا ہے۔ بے چارے۔

پروڈیوسر: ایسے ہی ہے لطیف صاحب۔ ہمیشہ نئی کھیپ آ جاتی ہے اور پرانے مہرے چلے

جاتے ہیں۔ یہ طریقہ ہے ازل کا..... چائے منگو اوں

فوزیہ: نہیں جی شکریہ۔

پروڈیوسر: جنرل منیجر صاحب کے کمرے میں چلیں۔ میرا خیال ہے سکندر صاحب وہیں

آجائیں گے۔ چلیں؟

فوزیہ: چلے جی۔

تینوں اٹھ کر باہر جاتے ہیں۔ فون کی گھنٹی بجتی ہے۔ کمرہ فون پر جاتا ہے گھنٹی بجے جاتی ہے۔

کٹ

سین 6 ان ڈور دن

(عاشی اور سکندر پاس پاس کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ عاشی چھوٹی سی پوٹلی کھول کر زردہ اور سپاریاں منہ میں ڈالتی ہے۔ سکندر کو آفر کرتی ہے۔)

عاشی: الا چچی لے لو سکندر۔

سکندر: شکریہ..... مجھے یہ سگریٹ کافی ہیں۔ آج کل کہاں ہو عاشی۔

عاشی: کراچی میں۔

سکندر: کس شوہر کے پاس ہو آج کل؟

عاشی: کیا مطلب ہے تمہارا؟

سکندر: اخباروں سے پتہ چلتا رہا ہے کہ تم نے کئی شادیاں کیں۔

عاشی: تمہارے بعد صرف دو.....

سکندر: Not bad..... مسکین صاحب چلے گئے رہا کر دیا انہیں؟

عاشی: مسکین صاحب تو سولہ سال ہوئے فوت ہو گئے۔ سکندر..... ان کی بات تو اب کیا کرنی؟

سکندر: I am sorry

عاشی: پھر..... میں نے ڈائریکٹر رفیق سے شادی کر لی۔ سات سال Industry سے باہر رہی۔ واپس آئی تو مارکیٹ نے قبول نہ کیا۔

سکندر: کیسی عجیب بات ہے عاشی۔ کبھی کبھی انسان اس قدر قریب ہوتا ہے کہ جو کچھ ایک دوسرے کی دھڑکن پر گزرتی ہے سنائی دیتی ہے۔ اور کبھی کبھی اس قدر دور ہو جاتا

ہے کہ..... خبر بھی نہیں ملتی کسی کے حالات کی حالانکہ وہ قریب ہوتا ہے۔

عاشی: تم بہت بدل گئے ہو..... بہت۔

سکندر: اچھا ہوں پہلے سے کہ برا۔

عاشی: اگر تم شروع سے ایسے ہوتے تو شاید میں..... پروفیشن چھوڑ دیتی۔

سکندر: عاشی! کبھی تم نے سچ بولا ہے۔ اپنے آپ سے ہی سہی۔ آشعار ہی ہو کبھی سچ سے؟

عاشی: مجھے میرے پروفیشن نے بہت سال سچ بولنے نہیں دیا سکندر۔ لیکن اب آزادی

ہے ستم طریقہ یہ ہے کہ اب سچ سے کہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سکندر: بڑی خوش نصیب ہو۔ بالآخر جھوٹ کی زنجیر اتار دی۔

عاشی: میں ڈرتی تھی..... کہ کہیں مجھے بڑھاپے میں تین تین سطروں کے رول کے لیے

خوشامدی نہ کرنی پڑیں ڈائریکٹروں کی لیکن اللہ نے اچھا ہی انتظام کر دیا..... شادی

ہو گئی سیٹھ صاحب سے۔

سکندر: کیسا ہے تمہارا شوہر نامدار؟

عاشی: اچھے ہیں سیٹھ صاحب۔ گھی کی فیکٹری ہے کراچی میں۔ بچے ہیں گھر ہے..... آرام

دہ زندگی ہے۔ سکون ہے۔ کسی قسم کی بھاگ دوڑ نہیں ہے۔

سکندر: اور گمنامی ہے۔ کبھی کوئی پرانی فلم دیکھ کر پرانا زمانہ یاد نہیں آتا؟

عاشی: (لمبی آہ بھر کر) خواب ہمیشہ نہیں رہے۔ سکندر..... اب تو کبھی کبھی آئینہ دیکھ کر

یقین ہی نہیں آتا کہ یہ میں ہوں..... یا یہ کہ وہ میں تھی؟ بچے پوچھتے ہیں۔ اماں

آپ فلموں میں ہیروئن بنا کرتی تھیں؟ خوبصورت تھیں آپ اپنے زمانے میں؟

خط آتے تھے آپ کو فین میل؟ کچھ Admirers تھے آپ کے؟

سکندر: تو کیا جواب دیتی ہو تم انہیں؟

عاشی: کوئی جواب نہیں دیتی سکندر..... صرف ہنس دیتی ہوں انہیں میرے جواب پر

کیسے یقین آ سکتا ہے؟

سکندر: لوگ کتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔ ہم لوگوں کو کتنی جلدی.....

عاشی: لوگ بھول جاتے ہیں اور بچے یقین نہیں کرتے۔ صرف اپنا دل کسی لمحے نہیں

بھولتا۔

سکندر: (گھڑی دیکھ کر) اچھا عاشی خدا حافظ۔ مجھے ذرا جلدی ٹیلی ویژن سٹیشن پہنچنا ہے۔

عاشی: خدا حافظ (سکندر کچھ فاصلے پر جاتا ہے)

عاشی: سکندر۔

(سکندر واپس اس کی طرف بڑھتا ہے۔)

کٹ

سین 7 آؤٹ ڈور دن

(داتا دربار میں جانے والا بازار۔ اس میں خانماں جا رہا ہے اس کی بیوی ساتھ ہے۔ وہ ایک

دکان پر رکتا ہے اور ایک ریٹشی چادر خریدتا ہے جو عام طور پر مزاروں پر چڑھائی جاتی ہے۔)

کٹ

سین 8 ان ڈور دن

عاشی: میرے Husband مزاروں وغیرہ پر یقین نہیں کرتے سکندر۔

سکندر: اچھی بات ہے یا تو ان کا اعتقاد بہت پختہ ہے یا پھر ان کو سہاروں کی ضرورت محسوس

نہیں ہوتی۔ عام کامیاب آدمی کے اندر عموماً ایسے سوال نہیں اٹھتے جن کا جواب

نہ ملتا ہو۔ مشہور اور نادار کے دل میں ایسے کئی سوال اٹھتے ہیں۔ جن کا جواب دینے

والا کوئی نہیں ہوتا۔ شاید اسی لیے وہ مزاروں پر آ جاتے ہیں۔ تم تو انڈسٹری میں

رہی ہو۔ تمہیں تو پتہ ہے عاشی یہاں کتنے امتحان ہوتے ہیں ہم تو مہورت سے

پہلے بھی مزاروں پر جاتے ہیں بعد میں بھی۔ فلم باکس آفس پر ہٹ ہو جائے تو

بھی اور فیل ہو جائے تو بھی..... ہمارا تو پل پل مزاروں کے بل پر کتا ہے..... ہم